واقعہ کربلا اور کوفیوں کے سیاسی و مذہبی رجحانات

سید رمیز الحسن موسوی*

srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: امام حسینؑ، اہل کوفہ، مسلم بن عقیل، امیر شام، اُموی مبلغین، ابن زیاد، کوفہ شہر، کوفہ کے شیعہ۔

خلاصہ

واقعہ کربلا میں اہل کوفہ کا کردار بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جب بھی کسی تجزیہ نگار نے اس دردناک واقعے پر قلم اُٹھایا ہے، اُس نے اہل کوفہ کے کردار کو ضرور پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں افراط و تفریط بھی دیکھنے میں آتی ہے. اہل کوفہ نے خطوط لکھ کر امام حسینؑ کو دعوت ضرور دی تھی۔ لیکن کیا کربلا میں امام کے خلاف لڑنے والے شیعہ تھے؟ اس تاریخی مغالطے کی تحقیق کے لئے ہمیں ۶۱ ہجری میں کوفہ کے مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی رجحانات کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اُس وقت اہل کوفہ کن حالات سے گذر رہے تھے، اُن کے سیاسی و مذہبی رجحانات کیا تھے اور اُس دور میں شیعہ سے کیا مراد تھی اور شیعہ کی اصطلاح اُس دور میں کن معنوں میں استعمال ہوتی تھی اور پھر بنی اُمیہ نے اہل کوفہ پر تسلط جمانے اور اہل بیت اطہارؑ کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے کیا سیاسی حیلے اور تدابیر اختیار کی تھیں۔ پھر یہ کہ امام حسینؑ کو خط لکھ کر بلانے والے لوگوں میں کتنے لوگ اہل بیت کے اعتقادی شیعہ تھے اور کتنے فقط سیاسی حامی تھے اور وہ فقط اُموی حکومت کے بغض میں امام حسین کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔ ان میں کتنے لوگ اہل بیتؑ کی اطاعت کو ایک شرعی فریضہ سمجھتے تھے اور اُن کی سیاسی اور اجتماعی نفسیات کیا تھیں ہے۔ اس تحریر میں اسی قسم کے چند عناوین کے تحت ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ لہٰذا اس فرق کو سمجھے بغیر واقعہ کربلا کے دوران لشکر عمر سعد میں کوفیوں کی کثرت کو شیعہ سے نسبت دینا محض ایک تاریخی مغالطہ ہے۔ جسے اُموی مبلغین ایک عرصے سے پھیلا رہے ہیں اور عزاداری امام حسینؑ سے عام مسلمانوں کو متنفر کرنے کی سعی کر رہے ہیں تاکہ نواسہؑ رسول کے قتل اور خاندان رسولؐ کی بے حرمتی کرنے والے اُموی کرداروں کو چھپا سکیں۔

---

*۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد

مقدّمہ

واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین علیہ السلام کے باب میں اہل کوفہ کا کردار بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جب بھی کسی مؤرخ اور تجزیہ نگار نے تاریخ اسلام کے اس دردناک واقعے پر قلم اُٹھایا ہے، اُس نے اس واقعہ میں اہل کوفہ کے کردار کو ضرور پیش کیا ہے۔اس سلسلے میں افراط و تفریط پر مبنی نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کوئی مؤرخ اپنے اعتقادی جذبات سے عاری ہو کر کوئی تجزیہ پیش کرسکا ہو۔ اس سلسلے میں واقعہ کربلا کے بعض تاریک کرداروں کے چہرے پر پردہ ڈالنے اور اس واقعہ کے مجرمین کو بچانے کی خاطر اُموی مشنریوں نے اس دردناک واقعہ کا ذمہ دار اہل کوفہ کو قرار دیا ہے اور اُموی حکومت اور اُس کے ظالم کارندوں کو بری ذمہ قرار دینے کی سعی کی ہے۔

یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ہمارے معاصر اُموی مشنریوں نے بھی اپنی تحریروں میں پورے زور و شور کے ساتھ کوشش کی ہے کہ اس مجرمانہ فعل کی ساری ذمہ داری اُن کوفیوں کے اوپر ڈال دی جائے کہ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور پھر امام علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا تھا۔اس قسم کے پروپیگنڈے سے زیادہ تر عوام الناس کو عزائے حسینی کی محافل و مجالس سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس عظیم الشان شہادت کے ابدی اثرات کو مٹانے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے۔

حالانکہ اس دردناک واقعہ سے پوری اُمت متاثر ہوئی ہے اور امام عالی مقامؑ کے بارے میں زبان مبارک رسولؐ سے جاری ہونے والے بے مثال فضائل ومناقب کی وجہ سے پوری اُمت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے محبت وعشق رکھتی ہے اور سبطین رسول جناب حسنین کریمین علیہما السلام کا غم اور یاد منانا اپنا دینی فریضہ سمجھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمانوں خواہ وہ شیعہ ہوں یا اہل سنت سب ہی نے ایام محرم میں غم حسین علیہ السلام میں مجالس و محافل برپا کی ہیں شیعوں کے علاوہ اہل سنت کی عزاداری کی ایک پوری تاریخ ہے جس پر اس وقت بھی بلاد اسلامی کے مختلف حصوں میں عمل کیا جاتا ہے خصوصاً برصغیر پاک وہند میں اس کی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ لیکن جب سے ناصبیت کو عالمی کفر کی پشت پناہی ملی ہے اور سامراجی قوتوں نے بعض نام نہاد اسلامی فرقوں کی سرپرستی شروع کی ہے، عزاداری امام حسینؑ کے خلاف پروپیگنڈے نے بھی نیا رنگ اختیار کیا ہے اور اُموی کوششوں کو جدید وسائل اور نئے انداز میں پیش کیا جانے لگا ہے۔

اس سلسلے میں ایک عامیانہ پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ شیعوں نے خود ہی امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اب اس پر گریہ وماتم کررہے ہیں چونکہ امام کو دعوت دینے والے تمام لوگ شیعہ ہی تھے ۔اس بارے میں اہل کوفہ کے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے ۔اس پروپیگنڈے کا بڑا مقصد اُموی کرداروں کو چھپانا اور یزید کو بری الذمہ قرار دینا ہے ۔البتہ یہ مذموم سعی کوئی نئی نہیں ہے بلکہ اُموی حکومت نے بھی جب قتل امام حسینؑ کے بعد اپنا چہرہ رسوا ہوتے دیکھا تو سب سے پہلے خود یزید نے اپنے آپ کو اس جرم سے بری ذمہ قرار دینے کی کوشش کی اور ساری ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال دی تھی۔

اس تاریخی مغالطے کی تحقیق کے لئے ہمیں ۶۱ ہجری میں کوفہ کے مسلمانوں کے سیاسی ومذہبی رجحانات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس وقت اہل کوفہ کن حالات سے گذر رہے تھے ،اُن کے سیاسی ومذہبی رجحانات کیا تھے اور اُس دور میں شیعہ سے کیا مراد تھی اور شیعہ کی اصطلاح اُس دور میں کن معنوں میں استعمال ہوتی تھی اور پھر بنی اُمیہ نے اہل کوفہ پر تسلط جمانے اور اہل بیت اطہارؑ کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے لئے کیا سیاسی حیلے اور تدابیر اختیار کی تھیں۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ امام حسینؑ کو خط لکھ کر بلانے والے لوگوں میں کتنے لوگ اہل بیت اطہارؑ کے اعتقادی شیعہ تھے اور کتنے فقط سیاسی حامی تھے اور وہ فقط بغض معاویہ میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا چاہتے تھے اور اُنہیں امام عالی مقام کے خاندان اور دینی حیثیت اور مقام ومرتبے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ان میں کتنے لوگ امام علیؑ اور امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ کی اطاعت کو ایک شرعی فریضہ سمجھتے تھے اور کتنے محض سیاسی مقاصد کی خاطر امام کو کوفہ بلا رہے تھے اور اُن کی سیاسی اور اجتماعی نفسیات کیا تھیں۔ ان سب باتوں کے مطالعے کے بعد ہی اس تاریخی مغالطے کی حقیقت روشن ہوسکتی ہے ۔اس تحریر میں اسی قسم کے چند عناوین کے تحت ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے :

۱۔ کوفہ کی آبادی

کوفہ شہر کی بنیاد ۱۷ ہجری میں فتح قادسیہ کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمر کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص کے ذریعے رکھی گئی تھی۔ کوفہ کی بنیاد رکھنے کا سب سے بڑا مقصد اس علاقے میں ایک فوجی چھاونی قائم کرنا تھی تاکہ مملکت ایران کے اندر ہونے والی اسلامی فتوحات کو بہتر طور پر انجام دیا

جاسکے۔(1) حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ اس شہر کی مسجد اتنی بڑی ہونی چاہیے کہ تمام مجاہدین اس میں جمع ہو سکیں لہٰذا اس وقت اس مسجد میں چالیس ہزار افراد کی گنجائش تھی۔(2)

اس تاریخی حوالے سے ہم یہ نتیجہ لے سکتے ہیں کہ کوفہ شہر میں آغاز ہی سے چالیس ہزار کے قریب فوجی اور جنگجو موجود تھے اور یقیناًان جنگجوؤں میں سے بہت سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہاں رہ رہے ہونگے۔لہٰذا احتمال ہے کہ اس زمانے میں اس شہر کی آبادی تقریباًایک لاکھ افراد پر مشتمل ہوگی جو ایک معقول آبادی سمجھی جاسکتی ہے۔لیکن طبری نے بائیسویں ہجری کے واقعات کے تحت لکھا ہے: ”واختطت الکوفة حین اختطت علی ماۃ الف مقاتل“یعنی کوفہ شہر اپنے آغاز سے ہی ایک لاکھ جنگجوؤں کے لئے بنایا گیا ہے۔(3)

اگر ہم طبری کی اس روایت کو قبول کریں تواُس وقت کوفہ کی آبادی دو لاکھ سے زیادہ ہونی چاہیے لیکن یہ اس شہر میں بنائی گئی مسجد کی گنجائش سے کہیں زیادہ ہے۔لیکن اگر طبری کی اس عبارت میں ایک لاکھ سے مراد ہم جنگجو نہ لیں بلکہ افراد لیں تو پھر یہ روایت قابل قبول ہو سکتی ہے چونکہ اگر جنگجو اور مجاہد مراد تو پھر ہر جنگجو کے ساتھ اُس کے خاندان کے چند افراد بھی ہونے چاہیں۔

کوفہ کی بنیاد پڑنے کے بعد اس شہر کی طرف پوری اسلامی مملکت سے ہجرت کرنے والوں میں اضافہ ہونے لگا تھا چونکہ ایک تو یہ شہر دریائے فرات کے نزدیک تھا جس کی وجہ سے اس کی آب وہوا بہت خوشگوار تھی۔دوسرا ایران کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اس کی اقتصادی اور معاشی صورت حال بھی بہت بہتر تھی اور پھر مسلمان مجاہدین کے ذریعے فتح ہونے والے علاقوں کا مال غنیمت اور خراج بھی اس شہر کی اقتصادی رونق کا سبب بن چکا تھا جس کی وجہ سے عام لوگوں کا رجحان اس شہر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

اس شہر کی طرف لوگوں کی ہجرت کا سلسلہ ۳۶ہجری میں اور بھی زیادہ ہو گیا تھا چونکہ حضرت علی علیہ السلام نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنا دیا تھا۔یہی وجہ ہے جب ۳۷ہجری میں جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ۶۵ہزار افراد سے زیادہ ذکر کی گئی ہے۔(4) اگر ان کے ساتھ ان کے خاندانوں کا بھی حساب لگایا جائے تو یہ تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار کو پہنچتی ہے۔۴۰ ہجری میں امام

حسن علیہ السلام کی صلح کے واقعہ کے بعد امام علیہ السلام کے بعض اصحاب کی طرف سے اعتراض کے طور پر ایک لاکھ کوفی سپاہیوں کی دلیل بھی پیش کی گئی تھی۔(5)

اسی طرح ۵۰ ہجری میں جب امیر شام کی طرف سے "زیاد ابن ابیہ" کو کوفہ کی امارت سونپی گئی تو سیاسی حکمت عملی کے طور پر کوفہ میں حضرت علیؑ کے حامیوں کی تعداد کو کم کرنے کے لئے بہت زیادہ لوگوں کو کوفہ سے شام، خراسان اور دوسرے علاقوں کی طرف منتقل کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ۵۰ ہزار افراد کو فقط خراسان منتقل کیا گیا تھا۔(6) اس طرح کوفہ کی آبادی کم ہو کر ایک لاکھ چالیس ہزار افراد تک پہنچ گئی تھی جو ۶۰ ہزار جنگجوؤں اور ۸۰ ہزار اُن کے اہل خانہ پر مشتمل تھی یہاں تک کہ جب زیاد نے مسجد کوفہ کی توسیع کی تو اس میں ۶۰ ہزار افراد کی گنجائش رکھی گئی۔(7)

امیر شام کی موت کے بعد ۶۰ ہجری میں بعض کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے تو ان میں ایک لاکھ سپاہ کا تذکرہ کیا جو خدمت کے لئے آمادہ تھے۔(8) اگرچہ یہ بات کوفیوں کی جنگی آمادگی کو دیکھا جائے تو مبالغہ آمیز نظر آتی ہے لیکن اس سے امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے دوران کوفہ کی آبادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

درج بالا تاریخی معلومات سے امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں کوفیوں کے کردار کے بارے میں یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے:

پہلی بات تو یہ کہ امام حسین علیہ السلام کو لکھے جانے والے خطوط کی تعداد ۱۲ ہزار(9) ذکر کرنا اگرچہ بہت زیادہ نظر آتی ہے لیکن کوفہ کی جو آبادی ذکر کی گئی ہے اس کی نسبت یہ تعداد نصف سے بھی کم ہے۔ اگر یہ قبول بھی کرلیں کہ ان خطوط میں سے بعض خط چند لوگوں یا ایک گروہ کی طرف سے لکھے گئے تھے پھر بھی امام حسین علیہ السلام نے ان خطوط میں دی گئی دعوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید معلومات کے لئے اپنے نمائندے حضرت مسلم ابن عقیلؑ کو کوفہ بھیجا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۲ ہزار سے لے کر ۴۰ ہزار تک ذکر کی گئی ہے۔(10) لیکن امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک حدیث کے مطابق ۲۰ ہزار بیعت کرنے والے تھے۔(11) اگر اس تعداد کو قبول بھی کرلیں تو یہ لوگ کوفہ کی کل سپاہ کا پانچواں حصہ بنتے ہیں جس سے حضرت مسلم بن عقیلؑ کی طرف سے حکومت کے خلاف کوئی بڑا اقدام نہ کرنے کا سبب بھی

واضح ہو جاتا ہے۔آخر حضرت مسلمؑ کوفہ کے ایک لاکھ سپاہیوں میں سے ۲۰ ہزار سپاہ پر کس طرح بھروسہ کر سکتے تھے ؟

البتہ یہ بھی واضح ہے کہ اگر حضرت مسلم بن عقیلؑ شام کی نمائندہ حکومت کے خلاف کوئی بڑا قدم اُٹھا بھی لیتے اور حکومت بنانے کی کوشش کرتے تو شاید بہت سے غیر جانبدار اور اُموی حکومت کے مخالف لوگ اس نئی حکومت کے ساتھ ہو جاتے۔

تیسری اہم بات یہ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق عمر ابن سعد کے لشکر کی تعداد ۳۰ ہزار تھی۔(12) جو ایک معقول تعداد نظر آتی ہے لیکن یہ تعداد بھی کوفہ کی نصف آبادی کے بھی برابر نہیں تھی۔اس کے مقابلے میں مختار ثقفی کے سپاہیوں کی تعداد ۶۰ ہزار نقل کی گئی ہے چونکہ اُس کے سپاہی ایسے افراد پر مشتمل تھے جو کسی بھی صورت لشکر عمر ابن سعد میں شامل نہیں تھے۔چونکہ مختار کا لشکر قاتلان امام حسینؑ اور واقعہ کربلا کے اشقیا سے انتقام لینے کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور جو انہی لوگوں کی تلاش میں تھا جنھوں نے کربلا میں خاندان رسولؐ کے خلاف جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔لہٰذا اس لشکر میں قاتلین امام حسینؑ شامل نہیں ہو سکتے تھے۔

۲۔اہل کوفہ کی نظریاتی اور نسلی اعتبار سے تقسیم

واقعہ کربلا کے دوران کوفہ کے لوگوں کو ہم نظریاتی اور نسلی اعتبار سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں جس سے لشکر عمر ابن سعد میں کوفیوں کی موجودگی کے اسباب کو واضح کرنے میں بہت حد تک مدد مل سکتی ہے۔

ا۔کوفہ میں بسنے والوں کی نسلی اعتبار سے حیثیت

اس دور میں ہم کوفہ کے لوگوں کو دو حصوں میں دیکھتے ہیں: ایک عرب اور دوسرے غیر عرب۔کوفہ میں ساکن عرب بعض ایسے قبائل پر مشتمل تھے جو ایران میں فتوحات کے ساتھ ہی دور دراز عرب علاقوں سے نکل کر جنگ میں شرکت کی نیت سے عراق میں آبسے تھے اور فتوحات کے بعد اُنہوں نے کوفہ اور بصرہ کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔کوفہ میں سکونت اختیار کرنے والے یہ عرب کوفہ کی اہم آبادی شمار ہوتے تھے اور ان کا تعلق نسلی اعتبار سے قحطانی اور عدنانی قبیلوں سے تھا۔جنہیں اصطلاحاً یمانی اور نزاری کہا جاتا تھا۔جب کوفہ کی بنیاد رکھی گئی تھی تو اس وقت کوفہ میں ۱۲ ہزار گھر یمانی عربوں کے اور ۸ ہزار گھر نزاری عربوں کے تھے۔(13)

شروع شروع میں یمانی قبائل اہل بیت رسول علیہم السلام کے ساتھ بہت زیادہ اظہار محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں امیر شام نے ان کو اہل بیت اظہارؑ سے دور کرنے کے لئے بہت زیادہ سرمایہ کاری کی اور اُنہیں اپنے نزدیک کرلیا تھا۔(14)

عربوں کا ایک اور حصہ "بنی تغلب" قبائل پر مشتمل تھا جو ظہور اسلام سے پہلے ہی عراق میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے اور ہمیشہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ وجدال کرتے رہتے تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد یہ قبیلے بھی مسلمانوں کے ساتھ آ ملے تھے اور اُن کی فتوحات میں مدد کرنے لگے تھے اور پھر اُن میں سے بہت سے لوگ کوفہ جیسے جدید اسلامی شہروں میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔

کوفہ کے غیر عرب عوام کا تعلق موالی، سریانی اور نبطی گروہوں سے تھا۔(15) موالی اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جو مختلف عرب قبیلوں کے ساتھ عہد وپیمان باندھ کر اصطلاحاً اُن کی "ولاء" کو قبول کرلیتے تھے جس کے بعد حقوق کے لحاظ سے اُنہی قبائل جیسے ہو جاتے تھے۔ یہ موالی مختلف نسلوں سے ہوتے تھے ان میں ایرانی، ترک اور رومی نسلیں بھی تھیں جو عرب قبائل کے ہم پیمان بن کر زندگی گزارتے تھے۔ ایسے لوگوں کو عرب "عجم" کہتے تھے۔

کوفہ میں موالیوں کا سب سے بڑا گروہ ایرانیوں پر مشتمل تھا جنہیں "حمراء دیلم" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ گروہ ۴ ہزار افراد پر مشتمل ایک سپاہ رکھتا تھا جس کی قیادت "دیلم" نامی شخص کررہا تھا۔ یہ لوگ سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں اسلامی فوج میں شامل ہوگئے تھے اور اُس کے ساتھ تعاون کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔(16) یہ گروہ بعد میں کوفہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا اور بہت سے ہنر اور فن جانتا تھا لہٰذا کوفہ کے اکثر ہنر مند انہی لوگوں میں سے تھے۔

کوفہ میں موالیوں کی آبادی عربوں سے کہیں زیادہ تھی۔ امیر شام ان کی بڑھتی ہوئی آبادی سے پریشان تھا اور اُس نے اپنے گورنر زیاد کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کو کوفہ سے نکال کر شام، مصر اور ایران کے بعض علاقوں کی طرف بھیج دے۔(17)

"سریانی" اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جو فتوحات سے پہلے حیرہ کے ارد گرد موجود عبادت گاہوں میں رہتے تھے اور عیسائیت کو قبول کرچکے تھے جبکہ نبطیوں سے مراد وہ عرب تھے جو فتوحات سے پہلے عراق کے گوشہ

وکنار میں زندگی گزار رہے تھے اور کوفہ شہر آباد ہونے کے بعد یہ لوگ بھی کوفہ میں آبسے تھے اور زراعت کا پیشہ اپنا لیا تھا۔(18) لہٰذا یہ دونوں گروہ بھی کوفہ کی آبادی میں شامل تھے۔

۲۔ کوفہ کی نظریاتی تقسیم

یہاں نظریاتی تقسیم سے ہماری مراد نہ فقط مذہبی عقائد ہیں بلکہ سیاسی رجحانات بھی ہیں۔یعنی کوفہ کے رہنے والے سیاسی ومذہبی نظریات کے حوالے سے کتنے حصوں میں تقسیم تھے۔پھر نظریاتی لحاظ سے اہل کوفہ مسلمان اور غیر مسلمان آبادی پر مشتمل تھے۔کوفہ کے غیر مسلم حصے میں عربوں کے قبیلہ بنی تغلب سے نجرانی اور نبطی عیسائی شامل تھے جبکہ خلافت دوم میں جزیرہ نمائے عرب سے نکالے گئے بعض یہودی اور مجوسی بھی کوفہ میں رہتے تھے۔البتہ یہ کوفہ کی کل آبادی کا ایک معمولی سا حصہ تھے۔

کوفہ کے مسلمانوں میں سب سے اہم حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار تھے جو شیعیان علیؑ کے نام سے مشہور تھے۔اسی طرح بنی اُمیہ کے طرف داروں کی بھی ایک بڑی تعداد کوفہ میں موجود تھی جو شیعیان عثمان یا عثمانیہ کہلاتے تھے۔ان دو بڑے مسلمان گروہوں کے علاوہ بہت سے خوارج اور کچھ غیر جانبدار لوگ بھی تھے جو جس طرف ہوا کا رُخ دیکھتے اُسی طرف ہو جاتے تھے۔

کوفہ کے شیعہ

اہل بیت اطہارؑ کے شیعوں کو بھی ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جن میں ایک تو شیعہ زعماء اور سردار تھے اور دوسرے عام لوگ تھے۔شیعہ زعما اور سرادروں میں سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ فرازی، مسلم بن عوسجہ، حبیب بن مظاہر اسدی، ابو ثمامہ صائدی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے کہ جو جنگ صفین اور دوسری جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔یہ لوگ خاندان رسولؐ سے گہرا عشق ومحبت رکھتے تھے۔لیکن خاندان عصمت وطہارت کی امامت وولایت پر ایمان کے لحاظ سے ان بھی فرق تھا بعض تو قوی ایمان تھے اور یقین کی منزل پر فائز تھے اور بعض ایسے نہیں تھے۔انہی میں سے بعض لوگوں نے امیر شام کی موت کے بعد امام حسین علیہ السلام کو خطوط بھی لکھے تھے۔

ان شیعہ زعما کے علاوہ شیعہ کے نام سے مشہور عوامی طبقہ وہ تھا جو فقط سیاسی لحاظ سے خاندان نبوتؐ کے حامی تھے لیکن نظریاتی لحاظ سے وہ شیعہ نہیں تھے بلکہ اکثریتی اور حکومتی نظریات کے حامل تھے، یہ لوگ بنی اُمیہ کی ظالمانہ روش حکومت کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کی عادلانہ سیاست کی حمایت کرتے تھے،

جس کی وجہ سے انہیں بھی شیعہ علیؑ کہا جاتا تھا۔ ہم نے نور معرفت کے شمارہ ۲۴، ۲۳ میں شیعہ کے لغوی واصطلاحی معنی کی وضاحت میں شیعوں کی اس تقسیم کی وضاحت کی ہے۔

لہٰذا کوفہ میں شیعہ تھے لیکن نظریاتی شیعہ جو امامت اہل بیتؑ کے معتقد ہوں، بہت کم تھے اور چیدہ چیدہ لوگ ہی معرفت اہل بیت کے اس مرتبے پر فائز تھے۔ واقعہ کربلا نے ایسے شیعوں کو چھلنی سے گزار کر الگ کر دیا تھا جو امام وقت کی اطاعت کو فرض سمجھتے تھے اور امام وقت پر جان نثار کرنا اپنا شرعی فریضہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا کوفہ کے عام شیعوں کو آج کی اصطلاح میں شیعہ اثنا عشری نہیں کہا جاسکتا جو عقیدہ امامت کی وجہ سے دوسرے مسلمان فرقوں سے ممتاز ہیں۔ پھر ایمان کے درجات میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی نظریاتی لحاظ سے شیعہ ہو لیکن امتحان کے وقت سیاسی شیعہ بھی نہ رہے۔ لہٰذا ہمیں واقعہ کربلا میں کوفیوں کے کردار کا تجزیہ و تحلیل کرتے وقت اس چیز کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے سات ذی الحجہ ۶۰ ہجری کی شام کو مسلم بن عقیلؑ بقول تاریخ ۱۸ ہزار بیعت کرنے والوں کے باوجود کوفہ کی گلیوں میں تن تنہا رہ جاتے ہیں۔ مسلم کی تنہائی کے بہت سے اسباب ہیں لیکن ابن زیاد کی سخت حکمت عملی اور لالچ و خوفزدہ کرنے کی پالیسی کی وجہ سے جب بہت سے لوگ مسلم بن عقیل کی کامیابی سے مایوس ہو گئے تو اُنہوں نے ایک دم ہوا کے رخ پر چلنا شروع کر دیا اور امام حسین علیہ السلام کے نمائندے کو تنہا چھوڑ دیا تھا، چونکہ ان میں اکثریت سیاسی شیعوں کی تھی جو سیاسی نشیب وفراز کے تابع تھی۔ یہ لوگ سیاسی تبدیلی کے خواہاں تھے، جس کے لئے ان کے نزدیک بنی اُمیہ کی بیس سالہ حکومت اور امیر شام کی موت کے بعد بہترین انتخاب امام حسین علیہ السلام ہی تھے جو بنی اُمیہ کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتے تھے اور حکومت علوی کو دوبارہ زندہ کرنے کے اہل تھے۔

لیکن یہ ایسے امام حسینؑ کے خواہاں تھے جو کوفہ میں آکر حکومت بنائیں اور بغیر کسی خون خرابے کے تخت خلافت پر بیٹھ جائیں نہ وہ امام حسینؑ جو قربانیاں طلب کریں اور جن کی حکومت کی خاطر کوفیوں کو اپنا خون دینا پڑے۔ عام کوفیوں کی یہ حالت تھی، وہ حلوا کھانا چاہتے تھے لیکن بغیر کسی زحمت کے۔ یہ ایسا طبقہ تھا جس نے جونہی ابن زیاد کے سکوں اور تلواروں کی چمک دیکھی اُس کی طرف ہو گئے اور امام علیہ السلام کے نمائندے کو تنہا چھوڑ دیا۔ عوام کی یہ روش فقط کوفہ والوں سے ہی مختص نہیں ہے بلکہ آج بھی یہی صورت ہے جہاں زر اور زور دیکھا جاتا ہے عوام کی اکثریت کے ووٹ اُسی طرف ہوتے ہیں۔ عوام تو عوام

خواص بھی اپنا قبلہ تبدیل کردیتے ہیں۔اس موقع پر فقط نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے مضبوط لوگ ہی اپنی جان کی بازی لگانے پر تیار ہوجاتے۔ کوفیوں کی نفسیات کہ جس کو ہم آگے چل کر ذکر کرنے والے ہیں،کا تقاضا یہی تھا جو اُنھوں نے مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ کیا تھا۔

کوفہ میں موجود بنی اُمیہ کے یہ سیاسی مخالفین کہ جو شیعہ کے نام سے مشہور ہوچکے تھے اور بقول فرزدق جن کے دل تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے لیکن تلواریں اُموی گورنر ابن زیاد کے تابع تھیں۔ جنہوں نے جب امیر شام کی موت کی خبر سنی تو اُن کے دلوں میں بنی اُمیہ کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کی اُمید پیدا ہوگئی اور مستقبل میں اُنہیں اس سے چھٹکارے کا واحد راستہ امام حسینؑ ہی کی حکومت میں نظر آیا لہٰذا جہاں حبیب ابن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ جیسے اہل بیت اطہارؑ کے مخلص شیعوں نے امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کے لئے خطوط لکھے وہاں بنی اُمیہ کی حکومت کے سیاسی مخالفین نے بھی امامؑ عالی مقام کو خطوط لکھنے شروع کردیے۔

جو بادی النظر میں شیعہ ہی سمجھے جاتے تھے لیکن مذہبی اعتقاد کے لحاظ سے وہ بنی اُمیہ کے حامیوں جیسے ہی تھے ۔ لیکن امام حسین علیہ السلام اپنی الٰہی بصیرت سے جانتے تھے کہ ان خطوط میں کتنی سچائی ہے یہی وجہ ہے کہ امامؑ نے اہل کوفہ کو اخلاص کی چھلنی سے نکالنے کے لئے پہلے اپنے نمائندے مسلم بن عقیلؑ کو اہل کوفہ کی طرف بھیجا تاکہ اُن کی طرف سے حجت باقی نہ رہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس قسم کے لوگوں کا امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھنا اُن کے شیعہ ہونے کی دلیل نہیں چونکہ ان خطوط کا مقصد سیاسی تھا نہ اعتقادی۔ لہٰذا ان کا اہل بیتؑ کے بعض مخلص شیعوں کے ہمراہ خطوط لکھنے کی تحریک میں شامل ہونا انہیں شیعہ ظاہر کرنے کے لئے کوئی قانع کنندہ دلیل نہیں ہے۔

دوسری جانب کوفہ کے ان سیاسی شیعوں کو معلوم نہیں تھا، بنی اُمیہ کی پھیلائی ہوئی تاریکی سے نکلنے کے لئے فقط نواسۂ رسول کو خطوط لکھ کر دعوت دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے امتحان بھی دینا ضروری ہے۔چونکہ امیر شام نے اُمت مسلمہ پر بنی اُمیہ کے تسلط کو اپنے بیس سالہ مطلق العنان دور حکمرانی میں اتنا مضبوط کردیا تھا اور اس کو دوام بخشنے کے لئے ایسے اصول وضوابط بنادیئے تھے کہ جن کو توڑنا کوفہ کے خوش فہم مسلمانوں کے بس سے باہر تھا۔

جب یزید کو پتا چلا کہ کوفہ میں مخلص شیعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھ کر بلا رہے ہیں تو اس نے اپنے خاص عیسائی غلام سرجون کو بلایا اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ یہ وہ سرجون ہے جو امیر شام کا خاص مشیر تھا۔ اس عیسائی مشاور نے یزید کے سامنے اُس کے والد معاویہ کا خط پیش کیا کہ اگر کوفہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہو تو وہاں عبید اللہ ابن زیاد کو مسلط کر دینا۔ لہٰذا یزید نے اسی عیسائی مشاور کے کہنے پر ابن زیاد کو جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ :

"أما بعد فانه كتب الى شيعتي من أهل الكوفة يخبرونني أن ابن عقيل بالكوفة يجمع الجموع لشق عصا المسلمين فسر حين تقرأ كتابي هذا حتى تأتي أهل الكوفة فتطلب ابن عقيل كطلب الخرزة حتى تثقفه فتوثقه أو تقتله أو تنفيه والسلام۔" (19)

"اما بعد ! کوفہ سے میرے پیروؤں نے خط لکھ کر مجھ کو خبر دی ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جمع ہو کر مسلمانوں کے اجتماع کو درہم برہم کر رہا ہے تو تم میرا خط پڑھتے ہی کوفہ پہنچ جاؤ اور ابن عقیل کا پیچھا کرو جیسے کوئی اپنے گم شدہ گوہر کو تلاش کرتا ہے یہاں تک کہ اسے اپنی گرفت میں قید کر لو یا قتل کر دو یا پھانسی پر چڑھا دو۔ والسلام۔"

لہٰذا ابن زیاد نے کوفہ پر مسلط ہونے کے بعد مسلم بن عقیل علیہ السلام کے ارد گرد سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے ایسی خاص تدابیر اختیار کیں جو اُسی کا خاصہ تھیں اور کوئی دوسرا حکمران ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے لالچ اور خوفزدہ کرنے کے ایسے طریقے اپنائے کہ جن کے آگے کمزور ایمان کوفیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ امام حسین علیہ السلام کو لکھے گئے خطوط کو بھول گئے فقط وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو اطاعت امام کے مفہوم سے آگاہ تھے اور ابن زیاد کے کسی بھی حربے کے آگے تسلیم نہیں ہونے والے تھے، ان سب کو ابن زیاد جانتا تھا جن میں ہانی بن عروہ، میثم تمار اور مختار ثقفی جیسے افراد تھے لہٰذا ان شیعہ خواص کو امام حسینؑ کی نصرت سے باز رکھنے کے لئے ابن زیاد نے پہلے ہی سے دوسرے ظالمانہ حربے اختیار کر لئے تھے۔ میثم تمار اور مختار کو زندان کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا تھا اور ہانی بن عروہ کو مسلم بن عقیل علیہ السلام کے ساتھ ہی ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہوئے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

البتہ انہی میں سے بہت سے کوفیوں نے بعد میں توابین کی تحریک اور قیام مختار ثقفی میں حصہ لیا تھا لیکن تاریخ سے واضح نہیں ہوتا کہ ان میں کتنے لوگ لشکر عمر سعد میں شریک ہوئے تھے اور امام حسین علیہ السلام

کے خلاف لڑے تھے۔ لیکن تاریخ سے یہ واضح ہے کہ ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کی نصرت کو روکنے کے لئے ہر حیلے اور حربے سے کام لیا تھا، لوگوں میں مال ودولت تقسیم کرنے، زندان کو مخالفین سے بھرنے، خوف وہراس اور قتل وغارت کرنے سے لے کر کوفہ شہر کے تمام دروازوں تک کو اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ وہاں سے پرندہ بھی نہیں گذر سکتا تھا۔

ایسے حالات میں امام حسینؑ پر جان نثار کرنے کی آرزو رکھنے والے کس طرح کربلا پہنچ سکتے تھے۔ لہٰذا یہ بہت بعید ہے کہ کوفہ میں موجود اُموی مخالفین اور بظاہر اہل بیتؑ کے شیعہ، لشکر عمر سعد میں شریک ہوئے ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُموی کارندوں نے کوفیوں ہی سے لشکر ترتیب دیا تھا لیکن اس لشکر میں وہی لوگ شامل تھے جو بظاہر غیر جانبدار تھے یا اُموی حکومت کے ہمدرد تھے اور ان میں سے بعض لوگ ابن الوقتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھنے کی تحریک میں بھی شامل ہو گئے تھے جن کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

لیکن یہ واضح رہے کہ توابین کی تحریک میں وہی لوگ شامل تھے جو کسی نہ کسی طرح امام علیہ السلام کی مدد ونصرت کرنے سے رہ گئے تھے، اب یہ اُن کی اہل کوفہ کی عادت ونفسیات کے مطابق سستی یا کوتاہی تھی یا ایمان کی کمزوری یا حکومت ابن زیاد کی طرف سے سخت حالات تھے جن کی وجہ سے وہ کربلا میں امام حسینؑ کے جان نثاروں میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ لہٰذا وہ اسی کوتاہی اور عدم نصرت پر پشیمان ضرور تھے جس کا اظہار اُنہوں نے بنی اُمیہ کی حکومت کے خلاف قیام کی صورت میں کیا تھا اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ البتہ قیام توابین کی تفصیل ذکر کرنے کے لئے ایک الگ مقالے کی ضرورت ہے۔

کوفہ میں بنی اُمیہ کے حامی

دوسری طرف کوفہ میں شیعوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد حکومت شام کے حامیوں کی موجود تھی جو یا تو امیر شام کے نظریاتی حامی تھے یا اُس کی طرف سے ملنے والے مادی انعام واکرام اور پیسے کی ریل پیل کے عادی تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی حکومت کے دوران بھی مختلف فتنوں کا سبب بنے رہے تھے اور گاہے بگاہے علی علیہ السلام کے لئے مشکلات کھڑی کرتے رہتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت شام کو عراق بالخصوص کوفہ کے حالات سے باخبر رکھنا تھا۔

امیر شام نے امام علی علیہ السلام کی شہادت اور صلح امام حسنؑ کے بعد پورے عالم اسلام پر تسلط حاصل کرنے کے بعد کوفہ میں موجود اپنے ان حامیوں کو فراموش نہیں کیا تھا۔ لہذا یہ لوگ امیر شام کی بیس سالہ حکومت کے دوران حکومت شام سے مسلسل رابطے میں تھے اور آئندہ کی اُموی سلطنت کے دوام کے لئے کوفہ کے لوگوں پر کام کر رہے تھے۔

تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ جب امیر شام کی موت کے بعد بعض کوفی شیعوں کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے جانے لگے تو انہی اُموی جاسوسوں نے حکومت شام کو کوفہ کے حالات سے آگاہ کرنے اور کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کی کمزور سیاست سے آگاہ کرنے کے لئے شام کی طرف اپنے خطوط بھیجنے شروع کر دیئے تھے۔ یزید انہی لوگوں کے خطوط کے ذریعے کوفہ میں مسلم بن عقیلؑ کی سرگرمیوں سے آگاہ ہوا تھا اور پھر اُس نے اپنے باپ کے رازدار غلام سرجون کے مشورے سے ابن زیاد کو کوفہ کی گورنری پر مامور کیا تھا۔

کوفہ میں عمرو بن حجاج زبیدی، یزید بن حرث، عمرو بن حریث، عبداللہ بن مسلم، عمارۃ بن عقبہ، عمر بن سعد، مسلم بن عمرو باہلی، شمر بن ذی الجوشن، اشعث بن قیس وغیرہ جیسے بنی اُمیہ کے سخت ترین حامی موجود تھے۔ یہ لوگ کوفہ میں جہاں بنی اُمیہ کے سیاسی مفادات کا تحفظ کرتے تھے اور وہاں اپنے ذاتی مفادات کے لئے گرگٹ کی طرح رنگ بھی بدل دیتے تھے۔ انہی میں کچھ لوگ بظاہر جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے، لیکن درپردہ شامی حکومت کے مفادات کے لئے کام کر رہے تھے۔

لہذا جب امیر شام کی موت واقع ہوئی تو انہوں نے کوفہ میں امیر شام کے جانشین اور اُموی شہزادے یزید کی حکومت کی نوخیز جڑیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور امام حسین علیہ السلام کی تحریک کو ہر ممکنہ طریقے سے نقصان پہنچانے کی سعی کی۔ قتل امام حسینؑ کے لئے کوفی سپاہ کو جمع اور متحرک کرنے میں بھی انہی لوگوں کا بہت زیادہ کردار رہا ہے۔ ان میں بعض نام تو ایسے ہیں جن کی اہل بیت اطہار سے دشمنی اور خیانتیں اور اُموی حکومت کے تسلط کے لئے کوششوں کو ذکر کرنے کے لئے پوری کتاب درکار ہے۔

بنی اُمیہ کے کوفی حامیوں کے بعد کوفہ کے مسلمان گروہوں میں ''خوارج'' کا نام آتا ہے۔ کوفہ کے خوارج جنگ نہروان میں شکست کھانے کے بعد امیر شام کی حکومت کے زمانے میں حکومت کی غیر اسلامی

سیاست کی وجہ سے اُس کے سخت ترین مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے ۴۳ ہجری میں کہ جب ''مغیرہ بن شعبہ'' والی کوفہ تھا، ایک شورش برپا کردی تھی جس کی قیادت ''مستور بن علقہ'' کے ہاتھ میں تھی، لیکن خوارج کی یہ شورش شکست سے دوچار ہوگئی تھی۔

''زیاد بن ابیہ'' نے بھی ۵۰ ہجری میں کوفہ کی امارت ہاتھ میں لینے کے بعد اس گروہ کو دبانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، لیکن زیاد کی موت کے پانچ سال بعد ۵۸ ہجری میں انہوں نے ''حیان بن ظبیان'' کی قیادت میں ایک بار پھر شورش برپا کردی تھی۔ عبید اللہ ابن زیاد نے بھی کوفہ کی امارت حاصل کرنے کے بعد خوارج کو دبانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح اُموی حکومت کے خلاف ان کی ہر کوشش کو دبا دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے واقعہ کربلا میں یہ گروہ نہ تو مخالفت امام حسینؑ میں اور نہ حضرت کی حمایت میں کوئی خاص کردار ادا کرسکا۔(20)

خلاصہ یہ کہ کوفہ میں مذکورہ بالا سیاسی واعتقادی گروہوں کے علاوہ اکثریت ایسے غیر جانبدار اور ابن الوقت لوگوں کی تھی کہ جو فقط اپنے پیٹ اور شہوت کی فکر میں رہتے تھے۔ جن کا کوئی سیاسی اور مذہبی نظریہ نہیں تھا جس طرف مادی اور دنیوی مفاد دیکھتے تھے اُسی طرف ہوجاتے تھے۔ اگر اُنہیں تلوار دکھائی جاتی تو اُس کے آگے سر جھکا دیتے تھے اور اگر سکوں کی آواز سنائی جاتی تو اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے تھے۔

ان لوگوں نے جب مسلم بن عقیلؑ کی کامیابی کے آثار دیکھے تو اُس کی طرف جھک گئے تھے، لیکن جب اُس کی شکست کے آثار نظر آنے لگے تو میدان سے فرار کرنے لگے تھے اور مسلم بن عقیلؑ کے حقیقی طرفداروں پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے لگے تھے۔ یہی لوگ تھے جن کی ابن الوقتی کی وجہ سے مسلم بن عقیلؑ کی تحریک کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر جب ابن زیاد نے کوفہ پر تسلط حاصل کرلیا تو اُس کے وعدہ اور وعید کی وجہ سے امام عالی مقام کے مقابلے میں لشکر عمر بن سعد میں شامل ہوگئے تھے۔ لہٰذا یہی لوگ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سبب بنے اور انہوں ہی نے یزیدی حکومت کی ظاہری کامیابی کی بنیادیں فراہم کی تھیں۔ اگر مسلم بن عقیلؑ کامیاب ہو جاتے تو یہی لوگ کوفہ میں حکومت مسلم کے زبردست حامی بن جاتے۔

۳۔ کوفی معاشرے کی نفسیات

اہل کوفہ کی اجتماعی نفسیات کے مطالعہ سے بھی لشکر عمر بن سعد میں اُن کی کثرت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ا۔ تاریخ کی روشنی میں کوفی معاشرے کی نفسیات سے پتا چلتا ہے کہ اس معاشرے کی بنیادیں بدوی اور صحرائی قبائل پر قائم تھیں جو مختلف وجوہات کی بناپر اسلامی فتوحات میں شریک ہوتے رہے تھے اور پھر انہوں نے صحرائی اور خانہ بدوشانہ زندگی سے منہ موڑ کر شہری زندگی اختیار کرلی تھی لیکن ان کی عادات اور خصلتیں پرانی ہی تھیں جس میں سے سب اہم چیز کسی خاص اجتماعی نظام اور قانون کے تابع نہ ہونا تھا کوفیوں کی اکثریت انہی قبائلی عادتوں کی وجہ سے کسی حکومتی نظام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔چونکہ صحرائی اور خانہ بدوش طرز زندگی آزاد اور قوانین سے ماوراء زندگی ہوتی ہے وہ کسی قسم کی پابندی کو قبول نہیں کرتی۔

لہٰذا کوفہ میں سکونت اختیار کرنے کے باوجود وہ شہر کے قوانین اور حکومتی نظام کو قبول نہیں کرتے تھے اور ہر امیر اور والی کے خلاف ہوجاتے تھے یہاں تک کہ خلیفہ دوم کو تنگ آکر کہنا پڑا: ''وای نائب اعظم من ماۃ الف لایرضون عن امیرو لا یرضی عنھم امیر''یعنی اس سے بڑی مصیبت کیا ہوسکتی ہے کہ تم کو لاکھوں کی آبادی کا سامنا ہو اور وہ نہ اپنے امیر سے راضی ہو اور نہ امیر اُن سے راضی ہوسکیں۔(21)

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اہل کوفہ اپنی پوری تاریخ کے دوران حضرت علی علیہ السلام اور عمار یاسر جیسے عادل حاکموں سے بھی ناراض رہے ہیں اور زیاد بن ابیہ جیسے ظالم والیوں کے بھی مخالف رہے ہیں۔صحرائی عادات واطوار کے علاوہ کوفہ میں بزرگ صحابہ اور قاریان قرآن کی موجودگی نے بھی کوفیوں کی اس خصلت کو شدت بخشنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو حکومت وقت کے مقابلے میں مجتہد اور صاحب رائے سمجھتے تھے۔

لہٰذا جہاں تک اپنی جان کو خطرے سے دور سمجھتے ،حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہوجاتے تھے ،جس کی سب سے نمایاں مثال جنگ صفین میں دیکھی جاسکتی ہے خصوصاً نہروان کے خوارج کی ایک بڑی تعداد قرآن کے قاریوں اور حافظوں پر مشتمل تھی۔(22) اور وہ اپنے مقابلے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے خواہ وہ حضرت علی علیہ السلام جیسا امام عادل ہی کیوں نہ ہو۔لہٰذا ایسا معاشرہ کبھی بھی عادل امیر کو برداشت نہیں کرسکتا بلکہ ایسے معاشروں میں ایسے عادل اور عالم حکمرانوں سے سوء استفادہ کیا جاتا ہے اور

اس کے مقابلے میں اپنی رائے اور نظر کو بہتر خیال کیا جاتا ہے ،اس کا واضح ترین نمونہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ کوفیوں کا رویہ تھا۔لیکن اس معاشرے کے لئے زیاد بن ابیہ جیسے حکمران ہی مناسب ہوتے ہیں جوانہیں اپنی ظالمانہ روش کے ذریعے مہار کرتے ہیں اور اپنی اطاعت کراتے ہیں۔

۲۔اہل کوفہ کی دوسری نفسیاتی خصوصیت اُن کی دنیاپرستی تھی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ صدر اسلام کے بہت سے مسلمان فقط خدا کی رضا اور اسلام کی ترقی وپیشرفت کی خاطر فتوحات اسلامی میں شریک ہوتے تھے لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جو مال غنیمت کی خاطر جنگ کرتے تھے۔یہ لوگ کوفہ میں سکونت کے بعد مال ودولت کے عادی ہوچکے تھے اور دینی مقاصد کی خاطر اپنی دنیا کو ہاتھ سے کھونے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جب بھی اُنہیں اپنے مادی اور دنیوی مفادات خطرے میں نظر آتے، میدان جنگ سے عقب نشینی کرلیتے تھے اور جب بھی مادی مفادات کی اُمید ہوتی تو جنگ میں داخل ہو جاتے تھے۔اس کی واضح ترین مثال جنگ جمل کے مقابلے میں جنگ صفین میں کوفیوں کی کثرت ہے۔اسی لئے جب جنگ جمل میں حضرت علیؑ کی طرف سے جب جنگی غنائم تقسیم نہیں ہوئے تو بہت سے خواص نے بھی امام علیہ السلام پر اعتراضات کرنے شروع کردیئے تھے جبکہ جنگ صفین میں کوفیوں کو حکومت علوی کی کامیابی کی زیادہ اُمید تھی چونکہ جنگ میں کامیابی مال غنیمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

شروع شروع میں مسلم بن عقیلؑ کی بیعت کرنے والی کی کثرت کی بھی یہی وجہ تھی اگرچہ ان بیعت کرنے والوں میں چند ایک مخلص افراد بھی تھے۔لیکن شروع میں اہل کوفہ نے امیر شام کی موت اور یزید کی جوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے حکومت شام کو کمزور اور متزلزل سمجھ لیا تھااور پھر کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو مسلم بن عقیلؑ کا مقابلہ کرنے میں غیر سنجیدہ سمجھا تو بعض مخلص شیعوں کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی گئی تو کوفیوں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔چونکہ وہ اس وقت تک مسلمؑ کی کامیابی کو یقینی سمجھتے تھے ،لیکن بعد میں ابن زیاد کی آمد نے اُن کے تمام خیالات کو غلط ثابت کردیااور اُنہیں پتا چل گیا ہے کہ اب امتحان کا وقت ہے اور اُن کی دنیااور مادی مفادات خطرے میں پڑ چکے ہیں۔

لہٰذا اُنہوں نے فوراً مسلم بن عقیلؑ سے منہ موڑ لیا۔ حتیٰ عبید اللہ ابن زیاد کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد بھی بعض کوفیوں میں کامیابی کی اُمید باقی تھی اور اُنہوں نے دار الامارہ تک مسلمؑ کا ساتھ دیا لیکن جب اُنہیں مسلمؑ کی ناکامی کا یقین ہو گیا تو اُنہوں نے جلدی سے اپنے آپ کو مسلمؑ کی تحریک سے الگ کر لیا اور مسلم اور ہانی کو ابن زیاد کے سپرد کر دیا۔ اور پھر ابن زیاد کے لوگوں کی طرف شامی افواج کے کوفہ کی طرف چل پڑنے کی افواؤں نے بھی دنیا پرست کوفیوں کے پاؤں متزلزل کر دیئے اور وہ شامی فوج کے خوف سے کانپنے لگے تھے۔ (23) اور یہ اُن کی دنیا پرستی کی سب سے بڑی علامت تھی۔ یہاں ہمیں امام حسین علیہ السلام کے اس کلام کی گہرائی اور عظمت کا پتا چلتا ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا تھا:

"الناس عبید الدنیا و الدین لعق علی السنتھم یحوطونه ما درت معایشھم، فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون۔" (24)

یعنی "لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین تو اُن کے لئے لقلقہ زبان ہے، اُس وقت تک دین کے پیچھے چلتے ہیں کہ جب تک اُن کی معیشت برقرار رہتی ہے اور جب امتحان و آزمائش میں پڑتے ہیں تو دین دار بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں۔"

۳۔ کوفیوں کی تیسری بڑی نفسیات اُن کا جذباتی ہونا ہے، اہل کوفہ کی تاریخ کے مطالعہ سے ان کا جذباتی ہونا بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ کوفیوں کی اس نفسیاتی خصلت کا بنیادی سبب اُن کے اندر ایمان کی کمزوری اور معرفت دین کی کمی تھی۔ واضح ہے کہ جن لوگوں نے فتوحات کے بعد شوکت اسلام کو دیکھ کر دین قبول کیا ہو اور اپنی دنیا کی خاطر جنگ وجہاد کرتے ہوں، اُن سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہی جذباتیت تھی کہ کوفی مختلف حوادث میں اپنے احساسات وجذبات کے تابع ہو جاتے تھے اور اپنا رنگ بدلنے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔

جذباتی لوگ ایک مقام پر نہیں ٹھہر سکتے اور کسی ایک نظریئے اور عقیدے کے پابند نہیں رہ سکتے۔ کوفیوں کی یہی نفسیات اُنہیں بے وفائی اور وعدہ خلافی کی طرف لے جاتی رہی ہے اور آج تک اُن کی بے وفائی اور وعدہ خلافی ضرب المثل بنی ہوئی ہے۔ تاریخ میں کوفیوں کی اسی جذباتی خصوصیت سے جس رہنما نے سب زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے وہ مختار ثقفی تھا لیکن جب کوفیوں نے دیکھا کہ حالات مختار کے خلاف ہو چکے ہیں تو اُنہوں نے اُسے بھی تنہا چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ وہ مصعب بن زبیر کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ (25)

اسی طرح مؤرخین اور تجزیہ نگاروں نے اہل کوفہ کے قول وفعل میں تضاد، فریب کاری، والیان حکومت کی نافرمانی، مشکلات کے وقت فرار، حرص ولالچ اور پروپیگنڈے سے جلد متاثر ہو جانا، کوفی معاشرے کی اہم خصوصیات کے طور پر ذکر کی ہیں۔(26)

کوفیوں کی طرف سے امامؑ کو دعوت اور خطوط کے اسباب

۴۹ یا ۵۰ ہجری میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد سب سے پہلے جعدۃ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے امام حسین علیہ السلام کو دعوت پر مبنی خط لکھا کہ جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے اپنے برادر محترم امام حسنؑ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان ہونے والے عہد نامے کے احترام میں اس دعوت کا منفی جواب دیا تو اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔(27)

اس کے بعد امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کی موت اور امام عالی مقام کی طرف سے یزید کی بیعت سے انکار کے بعد جب امام علیہ السلام مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑے تو خطوط اور دعوت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا اور اس میں اس قدر شدت پیدا ہو گئی کہ ان خطوط کی تعداد ۱۲ہزار تک جا پہنچی۔(28) ہو سکتا ہے ۱۲ہزار سے مراد ایک ہی خط میں بہت سے لوگوں کے نام اور دستخط ہوں۔امام علیہ السلام نے ان سب خطوط کو ایک تھیلے میں جمع کیا ہوا تھا اور کوفہ کی طرف سفر کے دوران یہ خطوط امامؑ کے ساتھ تھے۔(29)

ان خطوط کے سلسلے میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔یہ خطوط لکھنے والوں میں چند ایسے لوگ بھی ہیں جو امام علی علیہ السلام کے خاص شیعہ شمار ہوتے تھے جن میں سلیمان بن صرد خزاعی، رفاعۃ بن شداد بجلی، مسیب بن نجبہ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ان لوگوں نے امام علی علیہ السلام کی عادلانہ حکومت کو دیکھا ہوا تھا اور امام علیؑ کی شہادت کے بعد بنی اُمیہ کے بیس سالہ دور حکومت اور تسلط میں شیعوں کے بارے میں اُن کے ظلم وجور سے تنگ آچکے تھے۔جس کی وجہ سے وہ بنی اُمیہ کے خلاف قیام کی معمولی سی فرصت کو بھی ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے تھے۔لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور پھر بیعت یزید سے انکار اُن کی اس آرزو کے پورا ہونے کا بہترین موقع تھا۔

۲۔حضرت امام علی علیہ السلام کی حکومت کے دوران کوفہ اسلامی مملکت کے بہترین شہروں میں شمار ہونے لگا تھا کیونکہ مملکت کا سرکاری دار الخلافہ تھا۔اس زمانے میں شام، کوفہ کا رقیب شہر سمجھا جاتا تھا جہاں بنی اُمیہ کا تسلط تھا چونکہ بنی اُمیہ کی حکومت کی سرکاری حیثیت مشکوک تھی اس لئے کوفہ کو اس کے مقابلے

میں سرکاری حیثیت حاصل تھی ۔ جس کی وجہ سے کوفہ یہاں کے رہنے والوں کے لئے اجتماعی اور اقتصادی لحاظ سے بھی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ لیکن امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد پوری اسلامی مملکت پر بنی اُمیہ کا تسلط قائم ہو جانے کے بعد یہ شہر امیر شام کی طرف سے سیاسی واجتماعی لحاظ سے خصوصی بے اعتنائی کا نشانہ بن گیا اور اس کا شمار عام شہروں میں ہونے لگا۔

اس لئے امیر شام کی موت کے بعد یہاں کے لوگ اس شہر کی سابقہ حیثیت کو لوٹانے کے خواہش مند تھے اور اس کی عظمت رفتہ کہ جس کی اُنہوں نے قدر نہیں کی تھی دوبارہ بحال کرنے کی سعی کرنے لگے تھے۔ لہٰذا ہم امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں کی طرف سے لکھے جانے والے خطوط کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی قرار دے سکتے ہیں۔

۳۔ لہٰذا مرگ معاویہ کے بعد جب امام علیہ السلام کو خطوط اور دعوت کا سلسلہ شروع ہوا تو جذباتی کوفیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش نظر آنے لگا تھا جس کو دیکھ کر بغیر سوچے سمجھے بہت سے کوفیوں نے امام علیہ السلام کو خط لکھنے شروع کر دیئے تھے۔

۴۔ بعض قبیلوں کے زعما اور سرداروں نے بھی جب دیکھا کہ سب لوگ نواسہ رسولؐ کو دعوت دے رہے ہیں اور کہیں یہ دعوت اہل بیت کی حکومت کی بنیاد نہ بن جائے اور اس وقت ہم پیچھے رہ جائیں لہٰذا اہل بیت اطہارؑ سے قلبی بغض و عناد رکھنے اور بنی اُمیہ کی طرف جھکاؤ کے باوجود ان لوگوں نے بھی امام علیہ السلام کو خطوط لکھنے شروع کر دیئے ۔ان لوگوں میں سے زیادہ اہم شبث بن ربعی ، حجار بن ابجر ، یزید بن حارث، قرۃ بن قیس، عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمیر بن عطارد کا نام ہے۔(30)

کوفیوں کی طرف سے آنے والے خطوط میں سب سے زیادہ جذباتی خط انہی لوگوں کے تھے لیکن جونہی حالات تبدیل ہوئے یہ لوگ لشکر عمر بن سعد کے حساس ترین عہدوں پر فائز ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن لشکر کوفہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہی لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

"یا شبث بن ربعی و یا حجار بن ابجر و یا قیس بن الاشعث و یا یزید بن الحارث الم تکتبوا الی ان قد اینعت الثمار و اخضر الجناب و طمت الجمام و انما تقدم علی جند لک مجند فاقبل۔"(31)

یعنی؛" اے شبث بن ربعی ، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث ! کیا تم ہی لوگوں نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کے قریب ہیں، درخت سر سبز و شاداب ہیں اور تیار لشکر آپ کے لئے حاضر ہے؟"

خلاصہ یہ کہ کربلا میں کوفیوں کی موجودگی کے بہانے شیعوں پر قتل امام حسینؑ کی تہمت کو سمجھنے کے لئے ہمیں ۶۱ ہجری کے کوفی معاشرے کا مختلف پہلوؤں سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ کوفیوں کی آبادی، اجتماعی نفسیات، امیر شام کی بیس سالہ حکومت کے اثرات اور اس دوران اُموی حکومت کے حامیوں کی کوفہ میں موجودگی اور سیاسی سرگرمیوں اور نظریاتی اور سیاسی تشیع میں فرق کو سمجھے بغیر واقعہ کربلا کے دوران لشکر عمر سعد میں کوفیوں کی کثرت کو شیعہ سے نسبت دینا محض ایک تاریخی مغالطہ ہے۔ یہی وہ مغالطہ ہے جس سے معاصر اُموی مبلغین ایک عرصے سے استفادہ کر رہے ہیں اور عزاداری امام حسینؑ اور مجالس عزائے حسینی سے عام مسلمانوں کو متنفر کرنے کی سعی کر رہے ہیں تاکہ نواسۂ رسول کے قتل اور خاندان رسولؐ کی بے حرمتی کرنے والے اُموی کرداروں کو چھپا سکیں۔

حوالہ جات

1۔ حموی، یاقوت، معجم البلدان، بیروت، دار احیاء التراث العربی،1399ق، 491/4

2۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، بیروت، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات،145/3

3۔ ایضاً ج243/3

4۔ ایضاً، ج49/4

5۔ دینوری، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، تحقیق علی شیری، چاپ اول، قم، منشورات شریف رضی، 1371، 185/1

6۔ شریف القرشی، باقر، حیاۃ الامام الحسین بن علی علیہ السلام، دوسرا ایڈیشن: قم، دار الکتب العلمیۃ، 1397 ق، 178/2 بہ نقل از تاریخ الشعوب الاسلامیۃ، 147/1

7۔ معجم البلدان، 491/4

8۔ تاریخ طبری، 494/4; مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، تصحیح محمد باقر بہبودی، تہران، المکتبۃ الاسلامیۃ، 337/44

9۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، 334/44

10۔ (ایضاً، ص ۳۳۷)

11۔ (ایضاً، ص ۶۸)

12۔ (ایضاً، ج ۴۵، ص ۴)

13۔ زیدی، محمد حسین، الحیاۃ الاجتماعیۃ و الاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الھجری، بغداد، جامعۃ بغداد، 1970 م/42

14۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، بیروت، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، 338/4

15۔ شریف قرشی، حیاۃ الامام الحسین علیہ السلام، 438/2

16۔ فتوح البلدان، /279

17۔ فتوح البلدان، 279

18۔ باقر شریف قرشی، حیاۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۴۳۸

19۔ طبری، تاریخ طبری، ج ۴، س ۲۶۵

20۔ تاریخ طبری، 132/4

21۔ تاریخ طبری، 243/3

22۔ مسعودی، مروج الذہب، 405/2

23۔ تاریخ طبری، 277/4

24۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسین علیہ السلام، چاپ اول: قم، دار المعروف، 1415ق، ص373

25۔ تاریخ طبری، 558/4

26۔ باقر شریف قرشی، حیاۃ الامام الحسین علیہ السلام، 420/2

27۔ الاخبار الطوال، 221

28۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، 334/44

29۔ تجارب الامم، 59/2

30۔ الاخبار الطوال، 229

31۔ مفید، الشیخ، الارشاد، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام لتحقیق التراث، الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م، دار المفید للطباعۃ والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان، ج ۲- ص ۹۸